علامہ جار اللہ الزمخشری

محمد مجیب الرحمٰن

(۲)

"علامہ جار اللہ الزمخشری" کی پہلی قسط "فکر و نظر" کے گزشتہ شمارے بابت ماہ ستمبر میں شائع ہو چکی ہے۔ جس کی آخری سطور میں علامہ کی علمی خدمات اور تصانیف کا ذکر کیا گیا تھا۔ مندرجہ ذیل سطور گزشتہ سے پیوستہ ہیں تسلسل کے لئے پہلی قسط پیش نظر رکھی جائے۔

علاوہ ازیں زمخشری کی مندرجہ ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ الاحاجیات ومتمم سہام اسباب الحاجات بالمسائل اللغویہ۔

۲۔ ربیع الابرار ونصوص الاخبار فی الاداب والمحاضرات۔

۳۔ الکلم النوابغ فی المواعظ۔

۴۔ اطواق الذہب فی المواعظ۔ (EDITED & TRANSLATED BY BASHER DE-MEYUARD, PARIS. 1876)

۵۔ کتاب المقامات او النصائح الکبار فی المواعظ مع شرحہ۔

۶۔ ضالۃ الناشد۔

۷۔ عقل الکل۔

۸۔ الانموذج فی علم العربیۃ۔

۹۔ نزھۃ المستأنس۔

۱۰۔ رؤوس المسائل الفقہیہ۔

۱۱۔ البدعۃ السافرۃ فی الامثال السائرۃ۔

۱۲۔ معجم الحدود۔ ۱۳۔ صمیم العربیۃ۔
۱۴۔ شقائق النعمان فی حقائق النعمان فی مناقب امام ابی حنیفۃ۔
۱۵۔ القسطاس فی العروض۔ ۱۶۔ جواہر اللغۃ۔
۱۷۔ المنہاج فی الاصول۔ ۱۸۔ دیوان الرسائل ودیوان الشعر۔
۱۹۔ کتاب الاجناس۔ ۲۰۔ کتاب الاسماء فی اللغۃ۔
۲۱۔ الرسائل الناصحۃ۔ ۲۲۔ رسالۃ المسامۃ۔
۲۳۔ نکت فی الاعراب فی غریب الاعراب" فی اعراب القرآن"
۲۴۔ اعجب العجب فی شرح لامیۃ العرب۔ ۲۵۔ رسالۃ الاسرار۔
۲۶۔ روح المسائل۔ ۲۷۔ سوائر الامثال۔
۲۸۔ تسلیۃ الضریر۔ ۲۹۔ المفرد والمرکب فی العربیۃ۔
۳۰۔ متشابہ اسامی الرواۃ۔ ۳۱۔ نصائح الصغار۔
۳۲۔ الرائض فی علم الفرائض۔ ۳۳۔ المفرد والمؤلف فی المسائل النحویۃ۔
۳۴۔ المستقصی فی الامثال العربیۃ۔ ۳۵۔ الکتاب الجلیل المسمی بدیوان التمثیل۔
۳۶۔ شافی العی من کلام الشافعی۔ ۳۷۔ مقدمۃ الادب فی اللغۃ۔
۳۸۔ الامالی الواضحۃ فی النحو وفی کل فن۔ ۳۹۔ مختصر الموافقہ بین اہل البیت والصحابۃ۔
۴۰۔ "الاصل" لابی سعید رازی اسمٰعیل۔ ۴۱۔ کتاب الجبال والامکنۃ واسماء الادیۃ
۴۲۔ شرح کتاب سیبویہ۔ ۴۳۔ دیوان الخطب۔
۴۴۔ فی الاحاجی والالغاز۔[۲۴]

اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ مختلف فنون ومتعدد مضامین پر زمخشری کی یہ مذکورہ بالا تصنیفات ان کی ذہانت اور جودت طبع کی آئینہ دار ہیں۔ بلاشبہ یہ

---

[۲۴] ابوالحسن علی القفطی: انباہ الرواۃ ج ۳، ص ۲۶۶ نیز الدکتور احمد محمد الحوفی: کتاب الزمخشری۔

کتابیں قارئین کے دل میں انھیں حیاتِ جاودانی بخشنے کے لئے کافی ہیں۔ مگر یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ آپ کی مایۂ ناز اور شہرہ آفاق تفسیر "الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل" کو ایک ایسا اچھوتا اور اعلیٰ ترین مقام حاصل ہے جہاں تک ان کی دوسری کتابوں کی رسائی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اگر سچ پوچھئے تو یوں کہنا چاہیئے کہ زمخشری کی باقی تمام تصنیفات کو اس آخری اہم ترین تصنیف نے مات کر دیا بلکہ بے لطف و بے کیف کر کے رکھ دیا جو اپنے طرزِ بیان میں نرالی، جودتِ تحریر میں تسلیم شدہ اور ترتیب و تنسیق میں بے نظیر واقع ہوئی ہے۔ یوں تو متعدد نحوی چیستانوں اور ادبی چٹکلوں سے لبریز ہونے کی بنا پر اس کتاب کو ایک بین الاقوامی و لازوال شہرت حاصل ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ " فَاِنۡ قِیۡلَ وَقُلۡتُ کہہ کر مصنف نے جابجا اپنے قارئین کو گفت و شنید کا موقع دیا ہے جس سے اس کتاب کے مرتبہ اور قدر و قیمت میں اور بھی چار چاند لگ گئے ہیں۔

کشّاف کی جودتِ اسلوب، اس کے بچے تلے اصول، مسائل کے ہر ہر پہلو پر اس کی معقول اور مدلّل رسائی اور قوتِ استدلال نے دوست تو دوست، دشمنوں کو بھی اپنی طرف کشاں کشاں مائل کر کے ان سے خراجِ تحسین حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکی۔ عربی کا مقولہ مشہور ہے المعاصرۃ سبب المنافرۃ یعنی ہمعصری باہمی نفرت کا باعث بنتی ہے۔ جب ایک ہی عہد کے دو ہم فن اہل کمال کے دل ٹوٹ لے جائیں تو ان کی باہمی بے پروائی رقابت کے اثر سے کم و بیش پرخاش و مغایرت کی حد تک ترقی کی ہوئی نظر آتی ہے مگر زمخشری کی تفسیر کشاف ان کے معاصرین اور ہم چشموں سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ علاوہ ازیں یہ تفسیر اپنے تمام مخالفین و معاصرین کی چشمک اور خفگیوں کی مطلق پروا کئے بغیر ہر سمت اپنی فتح و کامرانی کا پرچم لہراتی ہوئی، اپنی ہمہ گیر کامیابی و ظفرمندی کے پھریرے اُڑاتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔ اپنی اندرونی خوبی و عمدگی، اپنی انتہائی فراست و متانت اور اپنی غیر معمولی ترتیب و تہذیب کی بنا پر قدامت پرست اور متعصب حلقوں میں بھی یہ تفسیر بڑی مقبولیت کی نگاہ سے دیکھی

جاتی ہے۔ بڑے ذوق و شوق اور جوش و خروش سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ بعد میں آنے والے مفسرین میں سے اکثر و بیشتر نے کسی نہ کسی حد تک ضرور اس تفسیر سے خوشہ چینی کی ہے۔ حتیٰ کہ قاضی عبداللہ ابن عمر البیضاوی المتوفی ۶۹۱ھ اور عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی المتوفی ۷۰۱ھ نے تو ایک قدم اور آگے بڑھا کر اپنی اپنی تفسیروں میں جا بجا کشاف کی ہو بہو نقل اتار دی جہاں تک اصلیت (ORIGINALITY) کا تعلق ہے ہمیں بہت کم بعد میں آنے والے ایسے مفسرین ملیں گے جو علم معانی و بیان یا دیگر اعتبارات سے زمخشری کا ہم پلّہ اور ہمسر ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہوں۔ تفسیر الکشاف کی یہ سب ایسی گوناگوں خوبیاں ہیں جن کی بنا پر اہل سنت والجماعت کے تقریباً تمام علماء فضلاء نہ صرف اس کا لوہا مان چکے ہیں بلکہ صدق دل سے اس کی داد دیئے بغیر بھی نہ رہ سکے۔ مصنف نے جس چیز کی طرف اپنی پوری اور خصوصی توجہ مرکوز کرنا چاہی وہ ہے اس کا فلسفیانہ طریقۂ کار اور مدلّل و مستقل بحث و تمحیص۔

ایک بات تعجب کی یہ ہے کہ اس عمدہ تفسیر میں مصنف نے فن حدیث پر کوئی سیر حاصل بحث نہیں کی بلکہ صرف ایک طائرانہ نظر ڈال کر ہی بس کر دیا۔ اس وجہ سے اس میں ایک خامی اور ایک خلاء سا پیدا ہو گیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ نہ جانے ایسا کرنے کی کیا وجہ تھی جبکہ زمخشری خود فن حدیث کے بہت بڑے ماہر گزرے ہیں اور اس فن میں آپ نے الفائق فی غریب الحدیث نامی ایک مستقل اور عمدہ ترین کتاب بھی تصنیف کی۔ اسی الفائق فی تفسیر الحدیث کے متعلق شیخ ابراہیم دسوقی کا کہنا ہے کہ ولم یر مثلہ فی القدیم ولا فی الحدیث۔ یعنی الفائق جیسی کتاب نہ تو ماضی میں دیکھی گئی اور نہ دورِ حاضر میں۔

تفسیر الکشاف میں علم معانی و بیان، نیز صرفی و نحوی قواعد کی پیچیدہ گتھیوں کو حل کرنے کے علاوہ اعجاز القرآن کے اصول کی پوری پوری تائید کرتے ہوئے زمخشری نے نہ صرف فصاحت و بلاغت کی خوبیوں کو اجاگر کیا بلکہ دیگر اصولوں کو بھی اپنایا۔ فصاحت و بلاغت چونکہ اعجاز القرآن کا ایک جزء لاینفک ہے اس لئے زمخشری

نے بھی فصاحت وبلاغت کو نظرانداز نہ کرتے ہوئے "أساس البلاغة" نامی کتاب تصنیف کی۔ اسی "أساس البلاغة" کے متعلق شیخ ابراہیم دسوقی کا کہنا ہے کہ "لم یبلغ کتاب قبله فی التمییز مبلغه" یعنی اس کتاب سے پہلے کوئی بھی کتاب أساس البلاغة کے مقام کو نہ پہنچ سکی[۲۵] مگر حقیقت میں اس کتاب کا تعلق ہے لغت و فرہنگ سے، نہ کہ فصاحت وبلاغت سے۔ اگرچہ کتاب کا نام دیکھ کر عام طور پر ایسا ہی گمان ہوتا ہے۔

لبیونی کی کتاب "الحسن السنی" کے مقدمہ میں ڈاکٹر محمد خلیل الخطیب کہتے ہیں کہ "قرآن مجید کے اعجاز کو اس کی ادبی خصوصیت کے اعتبار سے جن لوگوں نے ثابت کیا ہے ان میں سے دو شخصوں کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک کا نام تو شیخ عبدالقاہر الجرجانی المتوفی ۴۷۴ھ/۱۰۷۸ء ہے اور دوسرے ہیں علامہ زمخشری۔ سچ پوچھئے تو اعجاز القرآن اور اس کے ادبی پہلو کی اقدار سے مہارت تامہ اور پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان دونوں حضرات نے جو کد وکاوش کی اور بڑھ چڑھ کر نمایاں حصہ لیا وہ واقعی قابل صد ستائش ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "لم یدرك اعجاز القرآن الا الاعرجان احدهما من جرجان والآخر من زمخشر"۔ یعنی قرآن مجید کے اعجاز کے متعلق دو لنگڑے (ٹانگ سے معذور) آدمیوں نے جس قدر واقفیت اور مہارتِ تامہ حاصل کی اور کسی نے نہیں کی۔ ان میں سے ایک تو ہیں جرجان کے باشندے اور دوسرے زمخشر کے[۲۶] أساس البلاغة کی طرح امام زمخشری نے اپنی تفسیر الکشاف میں

---

[۲۵] تفسیر الکشاف ج ۳، ص ۳۷۳، قاہرہ ۱۹۵۱ء

[۲۶] ملاحظہ ہو انور شاہ کشمیری کی کتاب مشکلات القرآن کے شروع میں مولانا یوسف بنوری کا مقدمہ۔ نیز ملاحظہ ہو لبیونی کی کتاب "الحسن السنی" کے شروع میں ڈاکٹر محمد خلیل الخطیب کا تحریر کردہ مقدمہ۔ اس مقدمہ میں ڈاکٹر خلیل مذکور نے قرآن مجید کے اعجاز کے سلسلہ میں ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ۔ ۱۴۰۶ء کی رائے کا بھی حوالہ دیا ہے۔

فرہنگ اور لغت کے پہلو اجاگر کرتے ہوئے سیر حاصل بحث کی۔ "انزل القرآن علی سبعۃ احرف" کی طرف پورا پورا خیال رکھتے ہوئے آپ نے متعدد قرأتوں کی طرف بالتفصیل نشاندہی و رہنمائی کی نیز اپنی تشریحات کی تائید میں قبل از اسلام کے ہزاروں بلکہ لاکھوں عربی اشعار کے اقتباسات پیش کئے۔ صرف جاہلی شعراء کے استشہاد پر انھوں نے بس نہیں کیا بلکہ موقع محل دیکھ کر وہ خود ساختہ اشعار پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے مثال کے طور پر تفسیر سورۃ البقرۃ کی آیت کریمہ اِنَّ اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاً مّاَ الخ کی تشریح کرتے ہوئے اور مولیٰ کریم کی نرالی شان کا اظہار کرتے ہوئے ذیل کے یہ شعر آپ کی زبان سے نکلے :-

یامن یریٰ مد البعوض جناحها + فی ظلمة اللیل البهیم الالیل

ویریٰ مناط عروقها فی نحرها + والمخّ فی تلک العظام النحل

اغفر لعبد طاب عن فرطاته + ما کان منه فی الزمان الاوّل

ترجمہ :- اے وہ ذات جو تاریک رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مکھیوں کے پر پھیلانے کو بھی دیکھ پاتی ہے اور نیز اس کے سینے کے باریک رگ و ریشہ کی جڑ اور لاغر سی ہڈی کے اندر گودا کو بھی دیکھ پاتی ہے۔ تو اپنے بندۂ ناچیز کے ان گناہوں کو معاف کر دے جو پچھلے دنوں اس سے سرزد ہوئے ہیں اور صدق دل سے اس نے توبہ بھی کی ہے۔[۲۷]

اسی طرح سورۃ القلم کی آیت کریمہ الذی علّم بالقلم علّم الانسان مالم یعلم کی تفسیر کرتے ہوئے قلم کی توصیف میں امام زمخشری نے یہ شعر کہے :-

ورواقم رقش کمثل اراقم + قطف الخطا نیالة اقصی المدی

سود القوائم ما یجد مسیرها + الّا اذا لعبت بها بیض المدی

---

[۲۷] الکشاف عن حقائق التنزیل، ج ۱۔ ص ۲۷۴ نیز محب الدین آفندی کی شرح شواھد الکشاف ص ۱۴۳، مطبوعہ القاہرہ ۱۹۵۱ء

ترجمہ :- اور بہت سے منقش قلم جو چتی دار سانپ کی طرح نقش و نگار اور زیب و زینت یعنی چتیوں کا حامل ہو، اس کی رفتار دھیمی ہے مگر پھر بھی وہ دور ترین غایت و مسافت کو پالیتا ہے یعنی یہ قلم کام سے کبھی تھکتا نہیں ہے بلکہ صبر و شکیب اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ پاؤں اس کے کالے کالے ہیں اور وہ اپنی رفتار کو اسی وقت تیز کرتا ہے جبکہ چھری کے سفید ہاتھوں سے لسے تراشا جاتا ہے۔[۲۸]

اسی طرح امام زمخشری کے اور بھی مختلف اشعار سے ان کی تفسیر الکشاف کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ نمونہ کے طور پر میں نے صرف دو جگہوں سے حوالہ کے ساتھ اقتباس پیش کیا۔ زمخشری اپنی تفسیر میں جہاں اپنے خود ساختہ اشعار پیش کرتے ہیں وہاں اپنی عادت کے مطابق وہ اپنا نام نہیں لیتے بلکہ یوں کہہ کر بس کرتے ہیں" و لبعضھم اَوْ وانشدتُ لبعضھم" غالباً اس طرح سے وہ اپنی فروتنی اور کسر نفسی کا اظہار کرتے ہیں۔

غالباً زمخشری کی تفسیر نگاری کا جو سب سے بڑا امتیاز اور نمایاں وصف ہے وہ ان کا اس فن میں عملی اقدام کو ترجیح دینا ہے کیونکہ عموماً آپ نے قرآن مجید کے اکثر غامض و مغلق مقامات کو حل کرنے کے لئے اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھایا جب تک کہ بدوی قبائل کے گلی کوچوں میں چکر لگا لگا کر بادیہ نشینوں سے ان کے صحیح استعمال اور اصلی معانی کے متعلق عین الیقین بلکہ حق الیقین نہ حاصل کر لیا ہو۔ دیہاتیوں کی زبان بالکل ہی خالص اور دیگر آلائشوں سے پاک صاف ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کا جو بچہ صحراؤں میں بدوؤں کے ہاں پل کر جوان ہوتا ہے وہ اپنے اندر فصاحت کا جوہر پیدا کر سکتا ہے۔ عرب کی خالص خصوصیات اس میں محفوظ ہوتی ہیں۔ یہی صحرا نوردی دراصل زمخشری کی تفسیر کے ہر دلعزیز اور مقبولِ خاص و عام ہونے

---

[۲۸] ایضاً ج ۳، ص ۳۴۹، مطبعۃ القاہرہ ۱۹۵۱ء نیز محب الدین آفندی، شرح شواہد الکشاف ص ۲۲۱۔

کا اصلی سبب ہے۔ مثال کے طور پر میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اپنے استاد المکرم وشیخ المحترم جناب مولانا عبداللہ الندوی سے جو سُنا تھا اس کا محض یہاں من وعن درج کرنا بیجا اور بے محل نہیں ہوگا۔ میں ان دنوں ڈھاکہ کے عالیہ مدرسہ میں زیر تدریس تھا۔ میرے استاد مذکور کا سنایا ہوا واقعہ یہ ہے کہ سورۃ الشمس کے اخیر میں "فدمدم علیھم ربھم" کے صحیح استعمال اور اصلی معنی کا سراغ لگانے کی غرض سے امام زمخشری مدت تک بدوی قبائل میں گھومتے پھرتے اور چکر کاٹتے رہے۔ دریں اثناء ایک روز کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چھوٹا سا بچہ بڑی تیزی سے گھر میں گھستا ہے اور اپنی امی سے یہ کہتا ہے کہ یا اُمّاہُ قد دمدمت القدر۔ یعنی "امی جان ہنڈیا اُبل پڑی ہے۔ چھوٹے بچے کی یہ بات سن کر امام زمخشری بھی فوراً لپک اٹھتے ہیں اور بلا تردّد بھانپ جاتے ہیں کہ لفظ دَمْدَمَ کے معنی اُمنگ میں، ترنگ میں اور جوش میں آجانے کے ہیں۔ پھر اسی روشنی میں زمخشری اپنی تفسیر نگاری شروع کرتے ہیں۔

شغدف والا قصہ بھی اسی نوع کا ہے۔ زمخشری کی صحرا نوردی کے سلسلہ میں یہ دوسرا واقعہ ہے جو انھیں پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ایک دفعہ وہ لق و دق بیابان میں پا پیادہ چل رہے تھے۔ اتنے میں کہاروں کو دیکھا کہ اپنے کندھوں پر دو پالکیاں اٹھائے چل رہے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈولی تو قدرے چھوٹی تھی مگر دوسری بہت بڑی زمخشری چونکہ ہمیشہ عربی زبان کے صحیح معنوں کے استعمال کی تاک میں رہا کرتے اس لئے ان سے رہا نہیں گیا۔ انھوں نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہی ایک سنہرا موقع ہے۔ اس موقع کو انھوں نے ہاتھ سے نہیں جانے دیا بلکہ غنیمت سمجھ کر کہاروں سے فوراً پوچھ بیٹھے: "ما ھذا وما ذالک"؟ یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے؟ کہاروں نے جواب دیا: "ھذا شغدف وذالک شفندف"۔ یعنی اس چھوٹی پالکی کو عربی میں شغدف کہتے ہیں اور بڑی کو شفندف۔ حاملانِ پالکی کے منہ سے جو کہ خالص دیہاتی بدو ہوا کرتے تھے۔ یہ جواب سُن کر فوراً زمخشری اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ کسی لفظ میں حروف کی کثرت اس کے معانی کی بہتات پر دلالت کرتی ہے۔

ومن اجل ذلك استنبطتُ ان زيادة الحروف تدل على زيادة المعاني۔ پھر اپنی تفسیر القرآن میں اس اصول کو بھی انھوں نے ملحوظِ خاطر رکھا۔

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ امام زمخشری اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر مکۂ معظمہ پہنچے تو وہاں کے با اثر امیر ابوالحسن علی بن عیسٰی ابن حمزہ ابن سلیمان بن عبداللہ ابن وہاس الحسینی السلیمانی المتوفی سنہ ۵۵۶ھ ـ سنہ ۱۱۱۲ء آپ کی آؤ بھگت کے لئے نکلے اور بڑی گرمجوشی کے ساتھ آپ کا پُرتپاک استقبال کیا۔[۲۹] پھر انھوں نے زمخشری کی رہائش کے لئے دار سلیمانی کو مقرر دیا۔ اسی الگ تھلگ اور تنہا رہائش گاہ میں عزلت گزیں ہو کر صرف چار سال کی مدت میں چار کتابوں کی تصنیف و تالیف مکمل کی۔ یہ چار کتابیں یہ ہیں 'المفصّل' 'اطواقُ الذہب' 'الفائقُ فی غریب الحدیث' اور 'المقامات'۔
ان چاروں کتابوں کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ ان میں سے پہلی دو کتابیں یعنی المفصل اور اطواق الذہب کے متعلق لندن کے مشہور مستشرق پروفیسر ایچ۔ اے۔ آر۔ گب یوں رقمطراز ہیں :-

AL-ZAMAKHSHARI OF KHAWARIZIM BELONGED TO THE PHILOLOGICAL SCHOOL OF THEOLOGY. FEW BOOKS USED TO BE BETTER KNOWN IN THE ARABIC SCHOOL OF EUROPE THAN HIS HANDBOOK OF GRAMMAR OF AL-MUFASSAL AND THE COLLECTION OF MORAL APOPHTHEGMS IN POLISHED RHYMED

---

۲۹ جاراللہ محمود کے گاؤں زمخشر کے متعلق ابن وہاس کے یہ شعر مشہور ہیں :-
جميع قرى الدنيا سوى القرية التي + تبوأها دارًا فداء زمخشرا
وأحرِ بأن تزهى زمخشرُ بامرئٍ + اذا عُدّ في اسد الشرى زمخ الشرى۔
(القفطی ج ۳ ، ص ۲۶۸)

CALLED THE " THE GOLDEN NECHLACE." ؎۳

اس واقعہ کے بعد ایک مدت بیت گئی تو علامہ ابن وہاس کے ایماء پر زمخشری نے اپنا بہترین شاہکار تفسیر الکشاف لکھنا شروع کر دی. تقریباً سوا دو سال کی عرق ریزی اور پیہم جانفشانی کے بعد اس کے لازمی نتیجے کے طور پر مورخہ ۲۳ ربیع الاوّل ۵۲۸ھ کو سوموار کے دن بوقت چاشت دار سلیمانی کے پاس خانہ کعبہ کے بالمقابل جہاں ہر وقت مسلسل برکتوں کی بارش ہوا کرتی ہے اور متواتر فیوض کی روشنیاں چھن چھن کر گرتی ہیں اور جہاں ماضی میں گھنٹی کی جھنکار سے وحی نازل ہوا کرتی تھی، زمخشری کی یہ تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ صحیح بخاری شریف جیسی بابرکات کتاب کی تالیف بھی اسی مقدس جگہ اور اسی بقعۂ نور کے گردوپیش شروع ہوئی اور وہیں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس کی تالیف کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام زمخشری خود یوں رقمطراز ہیں: "جب میں نے مکہ معظمہ کی مقدس سرزمین میں اپنے شتر سوار کو بٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حسنی خانوادہ وآل رسول صلعم کے چشم و چراغ، امیر و شریف امام ابوالحسن علی بن حمزہ ابن وہاس بڑے کروفر سے وہاں تشریف فرما ہیں۔ پھر جب میں سرزمین حجاز سے واپس آ گیا تو علامہ ابن وہاس اپنی گوناں گوں مصروفیت کے باوجود سنسان بیابان اور گنجان جنگلات کی دُور دراز مسافت طے کرتے ہوئے میرے خوارزم کے غریب خانہ میں آ دھمکنے کو تیار تھے تاکہ وہ تفسیر القرآن تحریر کرنے پر مجھے آمادہ کر سکیں۔ ادھر میرا یہ حال تھا کہ اس سے قبل دوسروں نے جب مجھے اس کام پر آمادہ کیا تو میں نے ٹال مٹول اور لیت و لعل کرتے ہوئے اپنی جان چھڑانے میں کسی نہ کسی طرح کامیابی حاصل کر لی مگر اب کی دفعہ میری کوئی دال نہ گل سکی. چنانچہ

؎۳۰ ARABIC LITERATURE AN INTRODUCTION BY PROF. H.A.R. GIBB : P.P.68.

اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس نمایاں کام کو انجام دینے کے لئے میں تیار ہو گیا اور اس سے پہلے جو کچھ میں نے لکھا تھا اب اس سے ذرا مختصر طور پر لکھنا شروع کیا۔ مگر اللہ کی کیا شان کہ اس مختصر ہی میں اس قدر فوائد، اسرار اور نکتے میں نے سمو دیئے کہ گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا۔ چنانچہ اس تالیف میں جہاں مجھے تیس سال صرف ہونے کا تخمینہ تھا وہاں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مدتِ خلافت یعنی سوا دو سال میں ہی مجھے اس تالیف سے فراغت نصیب ہوئی۔ یہ سب کچھ بیت اللہ المحرم اور حرم پاک کے ان گنت برکات و فیوض ہی تو تھے جو ہمہ وقت میرے شامل حال رہے۔[۳۱]

پروفیسر گب 'الکشاف' کے متعلق یوں فرماتے ہیں :-

THOUGH ZAMAKHSHARI HELD THE MUTAZILITE BERESI, HIS COMMENTARY ENTITLED 'THE UNVEILER OBTAINED SO WIDE A VOGUE THAT A CENTURY LATER ITS' STING WAS DRAWN IN AN EXPURGATED EDITION BY AL-BAYDAWI (D 1286) AND IN THIS FORM REMAINS TO THIS DAY THE MOST POPULAR COMMENTARY.[۳۲]

مغربی ممالک میں زمخشری کے اصولی نقطۂ نگاہ یعنی اعتزال نے جہاں مالکی مذہب کے بہت سے متبعین کو حد درجہ برافروختہ کیا وہاں اسلام کا شہرۂ آفاق مؤرخ و فلاسفر علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ ـ ۱۴۰۶ء تفسیر الکشاف کے لئے ایک اعلیٰ وارفع مقام تجویز کرتا ہے اور دیگر تفاسیر سے موازنہ کرتے ہوئے اسے ممتاز قرار دیتا ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ قرآن مجید کے فن اعجاز سے واقفیت حاصل کرنا فن بلاغت کا ایک

---

[۳۱] تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل کے مقدمہ جلد ۱، ص ۳-۴ مجدالدین الشیرازی العقد الثمین ج ۳، ص ۱۵۰

[۳۲] PROF. H.R. GIBB'S ARABIC LITERATURE: P.P. 87.

لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ یہ امر کسی پر مخفی نہیں کہ ایک کامیاب و ماہر تفسیر نگار کے لئے ہر ہر قدم پر جس چیز کی شدید ضرورت پیش آتی ہے وہ ہے فن اعجاز القرآن بمگر افسوس اس بات کا ہے کہ پچھلے دنوں کے اکثر و بیشتر مفسرین کرام نے قرآن کریم کی جو تشریحات و تفسیرات پیش کیں وہ فن اعجاز سے یکسر عاری ہیں۔ مگر امام زمخشری اس سے مستثنیٰ نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ تفسیر نگاری کے وسیع و عریض میدان میں ایک کامیاب مفسر بن کر جب نمودار ہوئے تو انھوں نے خصوصی طور پر قرآن مجید کی ہر ہر آیت کو اس کے اعجاز کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اسی اعجاز کے نقطہ نگاہ اور اس کے اصول کی کسوٹی کو ہاتھ میں لے کر ایک ایک آیت کو اس کی روشنی میں پوری توجہ و تندہی کے ساتھ جانچنا اور پرکھنا شروع کیا۔ اس لحاظ سے ان کی جدوجہد واقعی قابل تحسین اور لائق صد ستائش ہے۔ ۳۳

علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ۔ ۱۶۰۲ء اپنی کتاب 'نواھد الابکار' میں قدیم مفسرین کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں :۔" اس کے بعد پھر تفسیری دنیا میں ایک ایسا دور شروع ہوا کہ اکثر مفسّرین کرام نے علومِ بلاغت پر گہری نظر ڈالتے ہوئے اس طرح تفسیر لکھنا شروع کی کہ اعجاز القرآن کے وجوہ اچھی طرح معلوم کئے جاسکیں۔ علامہ زمخشری فن تفسیر کی اس روش کے نقیب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر الکشاف نے مشرق و مغرب میں اس قدر ہر دلعزیزی حاصل کی۔ اس ہر دلعزیزی اور مقبولیت کو دیکھ کر خود زمخشری نے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔ یہ اشعار الکشاف کی پہلی جلد کے سرورق پر موجود ہیں :۔

ان التفاسیر فی الدنیا بلا عدد + ولیس فیھا لعمری مثل کشاف

ان کنت تبغی الھدیٰ فالزم قرأته + فالجھل کالداء والکشاف کالشافی

ترجمہ :۔ یقیناً تفسیریں تو دنیا میں بہت سی ہیں لیکن میں اپنی زندگی کی قسم کھاکر

---

۳۳ ملاحظہ ہو 'الحسن السنی' کے شروع میں ڈاکٹر محمد خلیل الخطیب کا لکھا ہوا مقدمہ۔

کہتا ہوں کہ کشاف جیسی تفسیر دنیا بھر میں نہیں۔ اگر تمہیں ہدایت مقصود ہو تو بلا تاخیر کشاف کو بالالتزام پڑھنا شروع کرو کیونکہ جہل ایک مرض ہے اور کشاف اس کی سندوا ثر دوا۔[۳۴]

غالباً یہ تفسیر پہلی دفعہ مطبع کلکتہ سے ۱۸۵۶ء میں ولیم لیس، مولوی خادم حسین اور مولوی عبدالحیّ وغیرہم کے اہتمام سے دو جلدوں میں چھپی۔ اس کے بعد پھر مصر کے مطبع بولاق سے ۱۲۸۱ھ میں چھپی۔ بعد ازاں مطبع شرف اور مطبع محمد مصطفیٰ سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوئی اور ہوتی رہی۔ مذہب اعتزال اور قرآن مجید کو مخلوق ثابت کرنے کے سلسلہ میں زمخشری نے الکشاف میں جو کچھ کہا تھا، اس کا مختصر مگر جامع ومانع جواب الانتصاف نامی کتاب میں دیا گیا۔ کتاب کا پورا نام ہے: "الانتصاف فیما تضمنہ الکشاف من الاعتزال" امام ناصرالدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المتوفی ۶۸۳ھ کی یہ تصنیف ہے۔ مصنف مالکی مذہب کے پیروکار اور اسکندریہ کے قاضی تھے۔ مصنف نے اس مختصر سی کتاب کے ذریعہ سے مذہب اعتزال کو الگ کرکے رکھ دیا۔ یہ کتاب ۱۳۱۸ھ میں کشاف ہی کے ساتھ مصر کے مطبع بولاق سے چھپی ہے۔ ابوالحسن سید شریف الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ نے بھی تفسیر الکشاف پر عمدہ تعلیقات لکھی ہیں۔ غالباً یہ نامکمل لیکن کشاف ہی کے ساتھ شائع ہوئیں۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ زمخشری نے اپنی تفسیر میں الفاظ کی بناوٹ، مختلف آیتوں کی تراکیب اور بندشوں کی خوب خوب داد دی ہے۔ نیز الفاظ کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں ایام جاہلیت کے عربی اشعار کو بطور شواہد بکثرت نقل کیا ہے۔ بعد میں پھر انہی اشعار کو پیش نظر رکھ کر کتابیں مرتب کی گئیں ان میں سے الاستاذ محب الدین آفندی کی کتاب خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کتاب کا پورا نام ہے: "تنزیل الآیات علی الشواھد من الابیات شرح شواھد الکشاف" ۴۲۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مصر کے مصطفیٰ البابی الحلبی پریس میں

---

[۳۴] علامہ یوسف سرکیس کی کتاب معجم المطبوعات، ج ۱

شائع ہوئی ہے۔ پوری تفسیر کے اوراق پر مشتمل تمام اشعار کا ذکر، نیز ماقبل و مابعد بلکہ جابجا پورے قصیدے کا بھی اقتباس دیا جا چکا ہے۔ استشہاد کے طور پر جتنے اشعار پیش کئے گئے ہیں ان کی عربی تشریح، نیز تمام غامض، مغلق اور تحقیق طلب مقامات کو اچھی طرح حل کیا گیا ہے۔ کشاف کے ساتھ ہی اس کے آخر میں یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں کشاف کو پیش نظر رکھ کر اور بھی شروحات لکھی جا چکی ہوں گی، جو سردست میری دسترس سے بالا ہیں۔

تفسیر الکشاف کی یہ گوناگوں خوبیاں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں مگر ایک مچھلی سارے جل کو گندہ کر دیتی ہے کیونکہ امام زمخشری قرآن مجید کے احکام اور مسائل پر بحث کرتے ہوئے ہر جگہ اپنے مقصد اعتزال کو ٹھونسنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ خواہ ان کی یہ جدوجہد بے محل، ناکام اور ناروا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ امام زمخشری ادب و لغت میں بڑے ماہر ہیں مگر اس سے بھی انکار نہیں کہ اعتزال کا رنگ ان پر بُری طرح غالب ہے بلکہ بھوت کی طرح ان کے سر پر ہر وقت سوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار و خیالات کبھی اعتزال سے خالی نہیں ہو سکے۔

امام زمخشری کے عہد میں سرکاری سرپرستی حاصل ہونے کی وجہ سے مذہب اعتزال اپنے عروج پر تھا۔ اس مسلک کے بانی واصل بن عطاء کو خلیفہ منصور نے اپنے دربار میں اتنا بلند مرتبہ عطا کیا کہ اس نے اپنے عقائد کو عوام پر ٹھونسنے کی پوری کوشش کی معتزلیوں کے عقائد یہ تھے کہ مسئلہ جبر و قدر کے سلسلہ میں جہاں اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے وہاں معتزلہ انسان کو اپنے اعمال، حرکات و سکنات میں مختار کل سمجھتے ہیں۔ نیز قرآن مجید کو وہ مخلوق کہتے ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے جسمانی وجود کا انکار کرتے ہیں۔[۳۵]

یہ معتزلیوں کی خوش بختی کہیے یا حسن اتفاق کہ حکومت کی حمایت و سرپرستی

۳۵؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ظہر الاسلام ج ۴ از ڈاکٹر احمد امین، ص ۴۵-۴۱ و ضحی الاسلام ج ۳

انھیں حاصل ہوگئی۔ تینوں خلفاء مامون، معتصم اور واثق نے معتزلہ نوازی کی انتہا کردی اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ معتزلی عقائد کو اپنائیں۔ بالآخر متوکل نے سربیرآرائے خلافت ہوکر اس لعنت کو یکسر ختم کردیا مگر متوکل سے قبل جہاں عمرو بن البحر الجاحظ احمد بن ابی دواُد، ابن مقفع وغیرہ مسلک اعتزال کے بانی مبانی اور پرجوش سرغنہ و سرخیل تھے وہاں امام زمخشری بھی اس مذہب کے ایک سرگرم کارکن و نقیب تھے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ انھوں نے اپنے تازہ خونِ جگر سے اس مذہب کی آبیاری کی تھی۔ کسی کے لئے کسی مذہب کا پرجوش داعی و نقیب ہونا اس بات کے مترادف ہے کہ وہ اپنے مسلک کی اشاعت و فروغ کے لئے اپنی تصنیفات کو ایک قوی ترین ذریعہ بلکہ آلہ کار بنائے اور عوام الناس کو بڑی زیرکی، فرزانگی اور سلیقہ سے لاشعوری طور پر اس طرف مائل کرنے کی کوشش کرے۔ زمخشری بھی اس مسلمہ اصول سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ چنانچہ عوام تو عوام خواص کو بھی اس طرف کشاں کشاں مائل کرنے کے لئے انھوں نے اپنی سرتوڑ کوشش کی اور ایڑی چوٹی کا زور لگانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ اللہ پاک کی مقدس کتاب قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے بھی مروجہ روش سے دُور ہٹ کر احکام و مسائل کو صرف عقلی اصول کی کسوٹی پر جانچنا اور پرکھنا شروع کیا جائے اور چند ایسے عقائد گھڑ لئے جائیں جو علمائے دین اور ائمہ شرع متین کے مسلّم عقائد کے سراسر منافی ہوں۔ معتزلہ اسی عقل پرست گروہ کا نام ہے۔ یہ تحریک دراصل سنّی علماء کے مذہبی عقائد میں کورانہ تقلید کے خلاف بطور احتجاج وجود میں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ معتزلہ اپنے آپ کو 'اھل العدل والتوحید' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور دوسروں کو اہل الحشو وغیرہ بُرے ناموں سے پکارتے ہیں۔ بعض مورخین کا یہ کہنا ہے کہ اس گروہ کا وجود سیاسی بنا پر ہوا۔ النوبختی نے اپنی کتاب "فرق الشیعہ" میں اس قول کی تائید کی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ نے تفسیر الکشاف پڑھ کر جو اثر

قبول کیا اور پھر اس بارے میں جو قیمتی ریمارکس پیش کیا وہ واقعی قابل غور ہے۔

امّا تفسیرہ فمحشو بالبدعة وعلی طریقة المعتزلة حتی آنا بہ لعبارۃ لا یہتدی اکثر الناس الیہا ولا لمقاصدہ فیہا مع ما فیہ من الاحادیث الموضوعۃ ومن قلّة النقل عن الصحابة والتابعین۔ یعنی امام زمخشری کی تفسیر مسلک اعتزال کے زاویہ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔ یہ تفسیر رسوم بد و بدعات سے بھری پڑی ہے۔ زمخشری نے اپنی تفسیر کے اندر بدعاتی چیزوں کو اس قدر باریک و لطیف پیرایہ میں گھسیڑ دیا ہے کہ اکثر و بیشتر لوگوں کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا اور نہ ہی کوئی اس کے اندرونی مقاصد کو بھانپ سکتا ہے۔ مزید برآں اس تفسیر میں بہت سی جعلی و بناوٹی حدیثوں کی بھرمار ہے۔ اور صحابۂ کرام و تابعین عظام کی قیمتی رائیں اس میں شاذ و نادر ہی ہیں[۳۶]

مندرجہ بالا ابحاث سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ زمخشری کی زندہ جاوید تصنیفات جہاں آفتاب عالمتاب بن کر ہر سمت کو معمور کرتی ہیں وہاں وہ اپنے اندر تاریک پہلو بھی لئے ہوئے نظر آتی ہیں۔ خصوصاً تفسیر الکشاف میں اعتزال کی اشاعت و فروغ کے لئے زمخشری نے بڑی سرگرمی کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اس مذہب کے پیڑوں میں سے ایک ایک پودے کو انھوں نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر کو جہاں موزوں اشعار جاہلیت اور مختلف عربی محاوروں سے آراستہ کرتے ہوئے پیچیدہ گتھیوں کو وا کرنے کی کوشش کی ہے، وہاں اپنے مسلک اعتزال کی سرپرستی اور حمایت میں اتنے غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے کہ اصل مقصد ہی مفقود ہو گیا اور یہ تفسیر بھی ایک راز سربستہ بن کر رہ گئی۔ کاش کہ آپ نے اس قدر جرأت مندانہ اقدام نہ کیا ہوتا اور میانہ روی کی حدود کو پھاندنے کی کوشش نہ کرتے۔

بعض مقامات پر آپ نے اہل سنت والجماعت کے دانشوروں مشہور و معروف اور نامی گرامی شخصیتوں کو فحش گالیاں دی ہیں اور ان کو تحقیر و تذلیل کا ہدف بنا کر

---

[۳۶] فتاویٰ امام ابن تیمیہ ج ۲، ص ۱۹۳

چھوڑا۔ اور ان پر الحاد و لادینی کا الزام لگا کر ان کے صاف و شفاف کردار کو بدنما اور داغدار کر دیا۔ یہ حرکت ایسی ہے کہ ایک بدکار، فریب کار اور بدکردار سے تو سرزد ہو سکتی ہے مگر ایک متدین عالم اور شرح متین کے حامل سے اس کی ہرگز نہیں توقع کی جا سکتی ضروری تھا کہ کوئی نہ کوئی اسی زبان میں اس کو جواب دیتا۔ چنانچہ مثال کے طور بر صغیر پاک و ہند میں مالوہ کے اندر مقام چندیری کے رہنے والے شاہ احمد شاری المتوفی ۹۲۸ھ۔ ۱۵۲۱ء جو عربی کے ایک اچھے شاعر ہو گزرے ہیں، زمخشری کے ہجو یہ قصیدے اور زبان درازی کا ترکی بہ ترکی جواب اسی طرز و انداز سے دیا ہے۔

عجباً لقوم الظالمین تلقبوا + بالعدل یا فیھم لعمری معرفہ

قد جاءھم من حیث لا یدرونہ + تعطیل ذات اللہ مع نفی الصفہ

ترجمہ:۔ مجھے تعجب پر تعجب ہے اس جرائم پیشہ اور بے اصول قوم کے لئے جو اپنے آپ کو اہل العدل کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ کاش کہ ان میں سمجھ بوجھ کا مادہ ہوتا۔ دراصل وہ عدل کے مفہوم سے بالکل ہی کورے اور نابلد ہیں۔ اللہ کا اپنی ذات سے معطل ہونا اور اپنی صفت سے اس کی نفی ہی ان کے نزدیک عدل ہے۔[۳۷]

جابجا اپنی تفسیر میں زمخشری نے اللہ کے بندوں میں سے چند برگزیدہ اولیاء اور قابل قدر عظیم ہستیوں سے ٹکر لی اور ان کے حق میں قبیح ترین کلمات کے استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ کاش کہ آپ ان چیزوں سے باز رہتے۔ نمونہ کے طور پر دیکھیے سورۃ آل عمران میں قل ان کنتم تحبون اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے زمخشری کس قدر مذاق اڑاتے ہیں اور پھبتیاں کستے ہیں: واذا رأیت من یذکر محبۃ اللہ ویصفق بیدیہ

---

۳۷ RAHMAN ALI : TADHKIRAH, P. 84. QUOTED BY M. G. ZUBAID AHMAD'S CONTRIBUTION OF INDO-PAK TO ARABIC LITERATURE, P. 242.

مع ذکرها و یطرب و ینعر و یصعق فلا تشك فی انه لا یعرف ما اللہ ولا یدری ما محبة اللہ وما تصفیقه وطربه ونعرته وصعقته الا لانه تصور فی نفسه الخبیثة صورة مستملحة معشقة فسماها اللہ بجهله ودعارته ثم صفق و طرب ونعر وصعق علی تصورها و ربما رأیت المنی قد ملأ ازار ذلك المحب عند صعقته وحمقی العامة علی حوالیه قد ملئوا اردانهم بالدموع لما رققهم من حاله۔

یعنی جب تم کسی کو اللہ کی محبّت کا ذکر کرتے ہوئے اور اس ذکر کے ساتھ تالیاں بجاتے ہوئے، چیختے چلاتے اور خوشی کا نعرہ لگاتے ہوئے دیکھو گے تو ہرگز اس چیز میں شک نہ کرنا کہ وہ اللہ اور اس کی محبّت کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور جہاں تک اس کے چیخنے چلانے، تالیاں بجانے اور خوشی کا نعرہ لگانے کا تعلق ہے وہ صرف اس لئے کہ اس نے اپنے خبیث نفس کے اندر ایک دلربا، دلکش اور خوب صورت سی صورت تصور کر رکھی ہے۔ پھر اپنی خباثت، شرارت اور بدکاری کی وجہ سے اس حسین صورت کا نام اللہ رکھ دیا۔ اس کے بعد پھر اپنی پرانی عادت کے مطابق اسی سوہنی اور کامنی سی صورت کو تصور کرتے ہوئے اس نے تالیاں بجانا، چیخنا چلانا اور خوشی کا گیت گانا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ گاہ بگاہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے عضو تناسل سے منی ٹپک کر اس کی تہبند کو بھر دیتی ہے اور ادھر اس کے گرد و پیش بیوقوف عوام میں اس قدر رقّت طاری ہوتی کہ انھوں نے اپنی آستینوں کو آنسوؤں سے بھر دیا۔[۳۸]

بعض لوگ جو اللہ سے جھوٹی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں ہو سکتا ہے ان کی تردید میں زمخشری کی یہ مذکورہ بالا عبارت کسی حد تک ٹھیک ہو مگر یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ تہذیب و شائستگی کے دائرہ سے نکل کر خوش اخلاقی کو بالائے طاق رکھ کر انسانوں کے حق میں اس قدر فحش و حیا سوز کلمات کہے جائیں۔ میں نے یہاں مثال کے طور پر صرف ایک ہی نمونہ پر اکتفا کیا ورنہ تفسیر الکشاف میں بیسیوں مقامات ایسے ملیں گے جہاں زمخشری نے

---

[۳۸] زمخشری کی تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل : ج ۱ ص ۱۴۱ مطبعہ بہیہ مصر

قرآن مجید جیسی مقدس کتاب کی تفسیر کرتے ہوئے اچھے اچھے لوگوں کو اسی یاوہ گوئی اور لات زنی کا ہدف بنا کر چھوڑا۔

مسلک اعتزال کے سلسلہ میں متعدد خامیوں کے علاوہ احادیث نبویہ کی کوئی تمیز کئے بغیر زمخشری نے اپنی تفسیر میں بے شمار ایسی موضوع حدیثیں پیش کیں جو جعلی و بناوٹی ہیں۔ ان کمزور حدیثوں کو دیکھ کر بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کے دل و دماغ اسلام کی راہِ راست سے منحرف ہو کر الحاد و بے راہ روی کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ ان سب سقیم حدیثوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ زمخشری کی معلومات علم الحدیث کے بارے میں زیادہ وسیع نہ تھیں۔ جیسا کہ اوپر بیان شدہ امام ابن تیمیہ کی رائے سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک اور بھی کمی اس تفسیر کے اندر رہ گئی۔ وہ یہ کہ زمخشری اس میں قرآن مجید کی ہر ہر آیت کو لے کر بحث نہیں کرتے بلکہ صرف چیدہ چیدہ آیتوں کو لے کر ہی تفسیر کرنے لگتے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں A. F. L. BEESTON یوں رقمطراز ہیں۔

ترجمہ:۔ کٹر مسلمانوں کی نگاہ میں زمخشری پر معتزلی بدعت کا رنگ چڑھا ہوا ہے اور یہ ایک بدنما دھبّہ ہے۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ جب وہ قرآن پاک کے چیدہ چیدہ فقروں کو لے کر تشریح کرتے ہیں تو بہت سی آیتوں کو بالکل ہی نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اس کے برعکس بیضاوی نے ایک تو زمخشری کی پوری تفسیر کا خلاصہ لکھ ڈالا۔ اس پر مستزاد یہ کہ انھوں نے بہت وسعت سے کام لیتے ہوئے زمخشری کی چھوڑی ہوئی آیتوں کی بھی تفسیریں کیں۔ اس طرح انوار التنزیل عملی طور پر گویا پورے قرآن مجید کی تحت السطور تفسیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کو متنِ قرآن مجید کے کسی مخصوص فقرے کی تفسیر کی ضرورت پیش آئے تو بیضاوی کی وساطت سے اس کی یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے مگر کشاف کے ذریعہ سے نہیں پوری ہوتی ہے[۳۹]

---

[۳۹] PREFACE OF THE ENGLISH TRANSLATION OF BAYDAWI'S COMMENTARY BY A. F. L. BEESTON.